تقبیل الابہامین سے متعلق
بعض فقہائے احنافؒ کی ایک عبارت کی تحقیق

از: مفتی محمد راشد ڈسکوی
رفیق شعبۂ تصنیف وتالیف واستاذِ جامعہ فاروقیہ، کراچی

ماضی قریب میں چند دوستوں نے اذان میں ذکرِ شہادتین کے وقت انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانے کا ذکر کرتے ہوئے اپنے زعم میں انکشاف کیا کہ اس مسئلہ میں خاتمۃ المحققین علامہ شامیؒ، علامہ طحطاویؒ اور صاحب جلالینؒ کا فتویٰ بھی یہی ہے، جب یہ پروپیگنڈا زور وشور سے کیا جانے لگا تو خیال ہوا کہ مذکورہ مسئلہ متعلقہ کتب میں دیکھا جائے۔

چناں چہ! مذکورہ کتب کی مراجعت کے بعد معلوم ہوا کہ یہ صرف پروپیگنڈا ہے کہ ان حضرات کا فتویٰ ''انگوٹھے چومنے کے جواز'' کا ہے، جب کہ حقیقت اِس کے برخلاف ہے، وہ اِس طرح کہ ''حاشیہ ابن عابدین'' میں علامہ شامی رحمہ اللہ نے دو کتب سے دو اقوال نقل کیے ہیں، اُن کا اپنا کوئی تجزیہ یا فتویٰ اِس جگہ مذکور نہیں ہے، اُن دونوں عبارتوں کا تجزیہ اور اُن کی حیثیت آگے آرہی ہے، ان کا طرزِ تحریر خود مبتدعین کے خلاف ایک مضبوط دلیل کی حیثیت بن رہا ہے۔

علامہ طحطاوی رحمہ اللہ کی عبارت ان کی کتاب ''حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح'' میں موجود ہے، علامہ طحطاوی رحمہ اللہ نے بھی دو کتابوں سے دو عبارتیں نقل کی ہیں۔ اور آخر میں ایک جملہ اپنی طرف سے بطورِ نتیجہ یا تجزیہ کے ذکر کیا ہے، اِن دونوں کتابوں سے منقول عبارتوں اور علامہ شامی رحمہ اللہ کے تجزیے سے متعلق فقہاءِ کرام کی تحقیقات اور آراء آگے آرہی ہیں۔

''صاحب جلالین کا فتویٰ'' کے بارے میں حقیقت یہ ہے کہ صاحبِ جلالین، یعنی: علامہ جلال الدین محلّی رحمہ اللہ نے ''تفسیرِ جلالین'' میں کہیں بھی ایسی کوئی بات ذکر نہیں کی۔

البتہ ''تفسیر جلالین'' میں سورۂ اَحزاب کی آیت نمبر: ۵۶ کے حاشیہ میں اس موضوع پر کچھ

منقول ہے، تفسیرِ جلالین کے اس حاشیہ سے متعلق (جو ہماری ہندی مطبوعہ تفسیرِ جلالین پر مطبوع ہے) پہلی بات تو جاننے کی یہ ہے کہ یہ حاشیہ تیس کے قریب مختلف تفاسیر سے منتخب کردہ ہے؛ لیکن مُحشّی کون ہے؟ اِس بارے میں کسی کو کچھ معلوم نہیں ہے، شاید یہی وجہ ہے کہ اس حاشیہ میں بہت سی جگہوں میں رطب ویابس اور غیر مستند باتیں بھی موجود ہیں؛ البتہ حواشی کے آخر میں محوّلہ تفسیر کا حوالہ مذکور ہوتا ہے۔

چناں چہ! مبحوث عنہا حاشیہ ''تفسیر روح البیان'' سے نقل کردہ ہے، ملاحظہ ہو: (الشيخ إسماعيل حقي البروسي رحمه الله کی تفسیر: روح البیان، سورۃ الأحزاب، رقم الآیہ: ۵۶، ۷/ ۲۲۸، ۲۲۹، مطبعہ عثمانیہ) لہٰذا! اس تیسری عبارت کے بارے میں اصل نسبت الشيخ إسماعيل حقي البروسي رحمه الله کی تفسیر: ''روح البیان'' کی طرف کی جانی چاہیے، نہ کہ تفسیر جلالین کی طرف؛ چناں چہ! تفسیر روح البیان کے اس مقام میں بھی دو کتابوں سے استحباب کی عبارت منقول ہے، اُس کے بعد دو کتابوں سے اس عمل کے موضوع ہونے کی عبارت منقول ہے، آخر میں صاحبِ روح البیان کا اپنا کلام ہے، جو استحباب کی طرف مُشیر ہے۔

چناں چہ! ذیل میں پہلے متعلقہ کتب کی عبارات اور پھر ان پر تجزیہ پیش کیا جائے گا۔

حاشیہ ابن عابدین میں ہے:

" يستحب أن يقال عند سماع الأولىٰ من الشهادة: "صلّى الله عليك يا رسول الله''، وعند الثانية منها: "قَرَّتْ عينِيْ بِك يا رسولَ الله"، ثم يقول: ''اللّهم مَتِّعنِيْ بالسمع والبصر" بعد وضعِ ظُفُرَيْ الإبهامَين على العينين، فإنّه عليه السلام يكون قائداً له إلىٰ الجنة، كذا في ''كنز العباد" اه قهستاني، ونحوُه في "الفتاوىٰ الصوفية".

وفي كتاب الفردوس: "من قبّل ظُفرَيْ إبهامَيه عند سماعِ ''أَشهد أَنَّ محمداً رسول الله" في الأذان، أنا قائدُه ومُدخِلُه في صُفوفِ الجنّة". وتمامُه في حواشي البحر للرملي عن المقاصد الحسنة للسخاوي.

وذكر ذالك الجرَّاحيُّ وأطال، ثم قال: "ولم يصِحَّ في المرفوع من كل هٰذا شيءٌ". (حاشية ابن عابدين، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۶۲۸/۲، دار الثقافة والتراث، دِمَشق)

ترجمہ: (اذان میں) پہلی شہادت کے سننے کے وقت ''صلّى الله عليك يا رسول

اللّٰہ'' اور دوسری شہادت کے سننے کے وقت ''قَرَّتْ عینِي بِك یا رسولَ الله'' (اے اللہ کے رسول! آپ کے سبب میری آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوئی) کہنا مستحب ہے، پھر اس کے بعد دونوں انگوٹھوں کے ناخن آنکھوں پر رکھ کر یہ دعا کرے: ''اللّٰھم مَتِّعنِي بالسَّمعِ وَالبَصَرِ'' (اے اللہ! مجھے قوتِ سماعت اور بینائی کی دولت نواز دے) اس لیے کہ آپ ﷺ ایسا کرنے والے کو جنت کی طرف لے جائیں گے، دیکھیے: ''کنز العباد'' اور ''قہستانی''۔ اور اسی طرح ''فتاویٰ صوفیہ'' میں ہے۔

اور ''کتاب الفردوس'' میں ہے: ''جس شخص نے اذان میں ''أشهدُ أنَّ محمداً رّسولُ اللّٰہ'' سنتے وقت اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوما، میں اسے لے کر جنت کی صفوں میں داخل کروں گا''، اور اس بحث کی پوری تفصیل علامہ سخاویؒ کی کتاب ''المقاصد الحسنۃ'' کے حوالے سے علامہ رملیؒ کے البحر الرائق کے حواشی میں ہے۔ جراحیؒ نے اسے تفصیل سے بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ ''اس بحث میں کوئی بھی مرفوع روایت صحیح نہیں ہے''۔

حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے:

"ذكر القهستاني عن كنز العباد أنه، يستحب أن يقول عند سَماعِ الأولىٰ من الشهادتين للنبي ﷺ صلى الله عليك يا رسولَ الله، وعند سماع الثانية: قرت عيني بك يا رسول الله، اللهم متعني بالسمع، والبصر بعد وضع إبهاميه على عينيه فإنه ﷺ يكون قائدًا له في الجنة.

وذكر الديلمي في الفردوس من حديث أبي بكر الصديق رضي الله عنه مرفوعاً: "مَن مسَح العينِ بباطن أنملة السبابتين بعد تقبيلهما عند قول المؤذن "أشهد أن محمدا رسول الله"، وقال: "أشهد أن محمداً عبده ورسوله، رضيت بالله رباً وبالإسلام ديناً وبمحمدٍ ﷺ نبيّاً"، حلَّتْ له شفاعَتِي اه .وكذا رُوِي عن الخضر عليه السلام، وبمثلهٖ يُعمَل في الفضائل.(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب الأذان: ۱/ ۲۰۵، ۲۰۶، دارالكتب العلمية)

ترجمہ: ''قہستانیؒ نے ''کنز العباد'' سے نقل کیا ہے کہ پہلی شہادتِ رسالت کے سننے کے وقت اپنے دونوں انگوٹھے آنکھوں پر رکھ کر ''صلّی اللّٰہ علیك یا رسول اللّٰہ'' اور دوسری شہادت کے سننے کے وقت ''قَرَّتْ عَیْنِي بِكَ یا رسولَ اللّٰہ، اللّٰھم مَتِّعْنِي بالسمعِ، والبصرِ'' کہنا

مستحب ہے؛ اس لیے کہ آپ ﷺ ایسا کرنے والوں کو جنت میں لے جائیں گے۔

دیلمیؒ نے ''کتاب الفردوس'' میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مرفوع حدیث نقل کی ہے: ''جو شخص مؤذن کی اس شہادت ''أَشْهَد أنَّ محمداً رسولُ الله'' سنتے وقت اپنی انگلیوں کے پوروں کو چوم کر اسے اپنی آنکھوں پر پھیرے اور یہ کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، میں اللہ تعالیٰ کے رب ہونے اور اسلام کے دین ہونے اور محمد ﷺ کے نبی ہونے پر راضی ہوا، تو اس کے لیے میری شفاعت واجب ہوگئی۔ اور اسی طرح حضرت خضر علیہ السلام سے روایت کیا گیا ہے، اور فضائل میں اس طرح کی باتوں پر عمل کرلیا جاتا ہے''۔

تفسیر جلالین کے حاشیہ (منقول از روح البیان) میں ہے:

"ثم إن للصلاة والتسليمات مواطن، فمنها: أن يصلي عند سماع إسمه الشريف في الأذان، قال القهساني في "شرحه الكبير" نقلاً عن "كنز العباد": إعلم أنه يستحب أن يقال عند سماع الأولىٰ من الشهادة: "صلى الله عليك يا رسول الله"، وعند سماع الثانية: "قرة عيني بك يا رسول الله"، ثم يقال: اللهم متعني بالسمع والبصر، بعد وضع ظفر الإبهامين على العينين؛ فإنه قاعدٌ له إلى الجنة.

وحضرت شیخ امام ابوطالب محمد بن علی المکی رفع اللہ درجتہ در ''قوت القلوب'' روایت کردہ از ابن عیینہ رحمہ اللہ کہ حضرت پیغمبر ﷺ بمسجد در آمد، وابوبکر رضی اللہ عنہ بظہر ابہامین چشم خود را مسح کرد، وگفت: قرة عيني بك يا رسول الله وچون بلال رضی اللہ عنہ از اذان فراغتی روی نمود حضرت رسول اللہ ﷺ فرمود کہ ای ابا بکر ہر کہ بگوید آنچہ تو گفتی از روی شوق بلقای من وبکند آنچہ تو کردی خدای درگزارد گناہاں ویرا آنچہ باشد نو وکہنہ خطا وعمد ونہان وآشکارا در مضمرات برین وجہ نقل کردہ.

وقال عليه السلام: "من سمِع إسمي في الأذان، فقبَّل ظفري إبهاميه، ومسح على عينيه لم يهم أبداً".

قال الإمام السخاوي في "المقاصد الحسنة": إن هٰذا الحديث لم يصح في المرفوع؛ – والمرفوع من الحديث: هو ما أخبر الصحابي عن قول رسول الله ﷺ –

وفي شرح اليماني:"ويكره تقبيل الظفرين، ووضعهما على العينين؛ لأنه لم يرِد فيه، والذي ورد فيه ليس بصحيح".

يقول الفقير: "قد صَحَّ من العلماء تجويزُ الأخذِ بالحديثِ الضعيف في العمليات، فكون الحديث المذكور غير مرفوع لا يستلزم ترك العمل بمضمونه، وقد أصاب القهستاني في القول باستحبابه، وكفانا الإمام المكي في كتابه؛ فإنه قد شهد الشيخ السهروردي في "عوارف المعارف" بوفور علمه وكثرة حفظه وقوة حاله، وقيل جميع ما أورده في كتابه "قوت القلوب"، ملخصاً من الروح البيان. ولقد فَصَّلْنا الكلامَ وأطْنَبْنَاه؛ لأن بعضَ الناس ينازِعُ فيه؛ لقلة علمه". (حاشيةٌ مطبوعةٌ على تفسيرِ الجلالين، سوره الأحزاب، رقم الآية:٥٦، ٣/٧٩، ٨٠،مكتبة البشرىٰ وص:٣٥٧، قديمي ومنقولةٌ من تفسيرِ روحِ البيان للشيخ إسماعيل حقي البروسي رحمه الله، سورة الأحزاب، رقم الآيه: ٥٦، ٧/ ٢٢٨، ٢٢٩، مطبعة عثمانية)

ترجمہ: ''پھر دُرود وسلام کے کچھ مواقع ہیں، من جملہ ان کے ایک یہ ہے کہ اذان میں آپ ﷺ کا نامِ نامی سن کر ان پر دُرود بھیجے۔ قہستانیؒ نے ''کنز العباد'' سے نقل کرتے ہوئے اپنی ''شرح کبیر'' میں ذکر کیا ہے کہ جان لو کہ پہلی شہادت کے سننے کے وقت اپنے دونوں انگوٹھے دونوں آنکھوں پر رکھنے کے بعد ''صلى اللّٰهُ عليك يا رسولَ اللّٰه'' اور دوسری شہادت کے سننے کے وقت ''قُرَّةُ عَيْنِيْ بِكَ يا رسولَ الله" (اے اللہ کے رسول! میری آنکھوں کی ٹھنڈک آپ سے ہے) کہنا مستحب ہے، پھر اس کے بعد یہ دعا کی جائے: ''اَللّٰهُمَّ مَتِّعْنِيْ بِالسَّمْعِ وَالْبَصَرِ" تو آپ ﷺ ایسا کرنے والے کو جنت میں لے جائیں گے۔

حضرت شیخ امام ابوطالب محمد بن علی المکیؒ نے ابن عیینہؒ سے ''قوت القلوب'' میں روایت کیا ہے کہ حضور ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے انگوٹھوں سے اپنی آنکھوں پر مسح کیا، اور کہا ''قُرَّةُ عَيْنِيْ بِكَ يا رسولَ اللّٰه" اور جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ اذان سے فارغ ہوئے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوبکر! ہر وہ شخص جو میری ملاقات کے شوق میں وہ کلمات کہے جو تم نے کہے، اور جو فعل تم نے کیا وہ بھی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے نئے، پرانے، خطاءً، عمداً، پوشیدہ اور ظاہر ہر طرح کے گناہوں کو معاف فرمادیتے ہیں، ''مضمرات'' میں اسی طرح نقل کیا گیا ہے۔

اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے میرا نام اذان میں سنا، پھر اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوما اور اپنی آنکھوں پر پھیرا، وہ کبھی غمگین نہیں ہوگا''۔ امام سخاویؒ نے ''المقاصد

الحسنۃ‘‘ میں فرمایا کہ: ’’یہ حدیث مرفوعاً ثابت نہیں ہے‘‘ اور مرفوع حدیث وہ کہلاتی ہے جس میں صحابی اللہ کے رسول ﷺ کے کسی قول کی خبر دے۔

اور ’’شرح الیمانی‘‘ میں ہے: ’’دونوں (انگوٹھوں کے) ناخنوں کو چومنا اور انھیں آنکھوں پر رکھنا، مکروہ ہے؛ اس لیے کہ اس سلسلے میں کوئی چیز وارد نہیں ہے، اور جو کچھ وارد ہے وہ صحیح نہیں‘‘۔

فقیر (شیخ اسماعیل حقیؒ) کہتا ہے کہ: ’’(فضائلِ) اعمال کے باب میں ضعیف حدیث پر عمل کرنے کا جواز علماء سے صحت کے ساتھ ثابت ہے، پس مذکورہ حدیث کا غیر مرفوع ہونا، اُس کے مضمون پر عمل نہ کرنے کو مستلزم نہیں۔ اور قہستانیؒ اپنی استحباب کی رائے میں درست ہیں، اور ہمارے لیے امام مکیؒ کی اپنی کتاب میں ذکر کردہ بات کافی ہے؛ اس لیے کہ شیخ سہروردیؒ نے ’’عوارف المعارف‘‘ میں ان (امام مکیؒ) کی وسعتِ علم، کثرتِ حفظ اور قوتِ حالی کی شہادت دی ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ جو کچھ انہوں نے اپنی کتاب ’’قوت القلوب‘‘ میں ذکر کیا ہے، وہ ’’روح البیان‘‘ کی تلخیص ہے، اور ہم نے (اس موضوع پر) کافی تفصیلی کلام کرلیا ہے؛ اس لیے کہ بعض لوگ اس مسئلہ میں اپنی کم علمی کے سبب تنازع کرتے ہیں‘‘۔

قابلِ تحقیق اُمور

مذکورہ عبارات دیکھنے کے بعد دو اُمور قابلِ تحقیق معلوم ہوتے ہیں:

(۱).....اذان واقامت میں انگوٹھا چوم کر آنکھوں پر لگانے کا حکم

(۲).....مذکورہ کتب میں استحباب کا قول مذکور ہونا

پہلی بحث: اذان واقامت میں شہادتین کے وقت انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر لگانے کے بارے میں قولِ فیصل یہ ہے کہ مذکورہ عمل نہ مسنون ہے اور نہ ہی مستحب؛ بلکہ بدعت ہے۔

دوسری بحث: چند کتبِ فقہ میں اس فعل کے استحباب کا ذکر۔ اس میں دو پہلو قابلِ ذکر ہیں:

۱۔ مذکورہ ’’قولِ استحباب‘‘ کے لیے مستدل حدیث کی حیثیت۔

۲۔ اس حدیث کے ماخذ کا بیان۔

مذکورہ تینوں کتب میں جس حدیث کو بنیاد بنایا گیا ہے، ’’حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح‘‘ اور ’’المقاصد الحسنۃ‘‘ میں الفاظ کے قدرے فرق کے ساتھ موجود ہے، ذیل میں وہ روایت ’’حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح‘‘ سے نقل کی جاتی ہے:

وذكر الديملي في الفردوس من حديث أبي بكر الصديق رضی اللہ عنہ مرفوعاً: ’’مَن

مسَح العين بباطن أنملةِ السبابتين بعدَ تقبيلهما عند قول المؤذن "أشهد أن محمدًا رسولُ الله"، وقال: "أشهد أن محمداً عبدُه ورسولُه، رضيت باللّٰه رباً وبالإسلام ديناً وبمحمدٍ ﷺ نبيًّا"، حلَّتْ له شفاعَتِي اهـ.

اور دوسری روایت جس کو بنیاد بنایا جاتا ہے، جس کی طرف علامہ طحطاویؒ نے اشارہ کیا ہے اور علامہ سخاویؒ نے اسے مکمل ذکر کیا ہے، وہ یہ ہے:

عن خضر عليه السلام: أنه من قال حين يسمع المؤذن، يقول:"أشهد أن محمداً رسولُ الله" مرحباً بحبيبي، وقرة عيني محمد ﷺ، ثم يُقبّل إبهاميه ويجعلهما على عينيه، لم يرمَد أبداً.

ان میں سے پہلی حدیث کے بارے میں علامہ سخاویؒ، ملا علی قاریؒ، علامہ طاہر پٹنیؒ اور علامہ محمد الامیر الکبیر المالکیؒ نے "لا یصح" کہتے ہوئے موضوع ہونے کا فیصلہ کیا ہے، ملاحظہ ہو:

(المقاصد الحسنة، حرف الميم، رقم الحديث: ۱۰۱۹،ص: ٤٤٠، دارالكتب العلمية)

(الموضوعات الكبرىٰ للقاري، حرف الميم، رقم الحديث: ۸۲۹، ص: ۲۱۰، قديمي كتب خانه)

(تذكرة الموضوعات لطاهر الفتني، باب الأذان ومسح العينين فيه، ص:٣٤، كتب خانه مجيدية، ملتان)

(النخبة البهيّة في الأحاديث المكذوبة على خير البرية،رقم الحديث:٣١٦، ص:١٧، المكتب الإسلامي)

اور پھر اس سے بھی آگے بڑھتے ہوئے علامہ سخاویؒ اور علامہ شامیؒ نے علامہ جزّاحیؒ کا قول نقل کرتے ہوئے یہ بھی کہہ دیا ہے: "مجموعہ احادیث میں اس مسئلہ کے بارے میں کوئی صحیح، مرفوع حدیث نہیں ہے"، چنانچہ فرماتے ہیں: "ولم يصِحَّ في المرفوع من كل هذا شيءٌ"، **ملاحظہ ہو:**

(المقاصد الحسنة، حرف الميم، رقم الحديث: ۱۰۱۹،ص: ٤٤٠، دارالكتب العلمية)

(حاشية ابن عابدين، كتاب الصلاة، باب الأذان:٦٢٨/٢، دار الثقافة والتراث، دِمَشق)

اور ”المقاصد الحسنہ“ کی تعلیقات میں تو واضح لکھا ہے کہ صرف یہی نہیں کہ مجموعہ احادیث میں اس مسئلہ کے بارے میں کوئی صحیح، مرفوع حدیث نہیں ہے؛ بلکہ اس عنوان سے متعلق سب مرویات موضوع اور بے سند ہیں، ملاحظہ ہو:

”وحکی الخطابي في شرح مختصرة خلیل حکایة أخرٰ غیرَ ما ھنا وتوسع في ذٰلك ولا یصح شيئ من ھذا في المرفوع کما قال المؤلف، بل کله مختلق موضوع“.(المقاصد الحسنة، حرف المیم، رقم الحدیث: ۱۰۱۹،ص: ۴۴۰،۴۴۱، دارالکتب العلمیة)

ایک ممکنہ اعتراض کا جواب

اور اگر یہ کہا جائے کہ چلو مرفوعاً نہ سہی، موقوفاً تو بہرحال ثابت ہے، اور اتنی بات عمل کے لیے کافی ہوتی ہے، جیسا کہ ملا علی قاریؒ نے ”الموضوعات الکبریٰ“ میں لکھا ہے، ملاحظہ ہو:

”قلت: وإذا ثبت رفعه علی الصدیق، فیکفي العمل بهٖ لقولهٖ ﷺ: ”علیکم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدین“.(الموضوعات الکبریٰ للقاري، حرف المیم، رقم الحدیث: ۸۲۹، ص: ۲۱۰، قدیمي کتب خانه).

ترجمہ: ”جب اس حدیث کا رفع حضرت ابوبکر صدیقؓ تک صحیح ہوگیا، تو حدیثِ نبوی ﷺ: ”علیکم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدین“ کی وجہ سے اتنا عمل کے لیے کافی ہے“۔

ملا علی قاریؒ کی ایک بات کی تحقیق

تو اس بارے میں عرض یہ ہے کہ اس مقام پر ملا علی قاریؒ سے ذہول ہوگیا ہے؛ اس لیے کہ اس ”حدیث“ کی تو سند ہی ثابت نہیں ہے، تو پھر اس کے موقوفاً صحیح یا ثابت ہونے کا کیا مطلب؟! یعنی یہ بات نہیں ہے کہ اگر مرفوع حدیث صحیح نہیں تو موقوف صحیح ہوگی؛ کیوں کہ یہ تو روایت ہی بے سند ہے۔

ملا علی قاریؒ کی اس بات کے بارے میں علامہ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

”ومِن العجیب أن المؤلف لمّا نقل في الموضوعات الکبریٰ قول السخاويؒ: ”وأوردہ الشیخ أحمد الرّداد في کتابه:”موجبات الرحمة“ بسند فیه مجاھیل مع انقطاعه عن الخضر علیه السلام، وکل ما یروی في ھٰذا، فلا یصح رفعه البتة“، تعقبه بقوله :”وإذا ثبت رفعه إلیٰ الصدیق، فیکفي العمل بهٖ لقولهٖ ﷺ: ”علیکم

بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين"، فكان تعقبه لا معنىٰ له إلا الخطاء، إذ لم يصح إسناده إلىٰ أبي بكرٍ". (المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، رقم الحديث: ۳۰۰، ص: ۱۶۹، ۱۷۰، سعيد)

ترجمہ: ''عجیب بات یہ ہے کہ مؤلفؒ نے (مذکورہ حدیث کے بارے میں) موضوعات کبریٰ میں علامہ سخاویؒ کا قول نقل کیا (جس سے حدیث کا موضوع ہونا ثابت ہوتا ہے)، اور خود ہی اس (قول ذکر کرنے) کے بعد اپنا یہ قول (جب اس حدیث کا رفع حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک صحیح ہوگیا، تو حدیثِ نبوی ﷺ: "عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين" کی وجہ سے اتنا عمل کے لیے کافی ہے) ذکر کیا ہے، پس اُن کے اپنے بعد والے قول کے کوئی معنیٰ نہیں ہیں، سوائے اس کے کہ اُن سے خطا ہوگئی ہے؛ اس لیے کہ اس حدیث کی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک بھی سند ثابت نہیں ہے۔

علم حدیث میں مذکورہ روایت کی حیثیت

اور اگر کوئی اس حدیث کو ''حسن'' یا ''ضعیف'' مانے (جیسا کہ بعض اہلِ بدعت کا قول ہے: ''صحیح نہ ہونے سے کسی حدیث کا ضعیف ہونا لازم نہیں آتا؛ کیوں کہ ''صحیح'' کے بعد ''حسن'' کا درجہ باقی ہے، لہٰذا یہ حدیث اگر ''حسن'' بھی ہو تو بھی عمل کے لیے کافی ہے'') تو بھی اس بات کو تسلیم کرنا ممکن نہیں ہے؛ اس لیے کہ کتبِ ضعفاء میں یا کتب موضوعات میں جب کسی حدیث کے بارے میں "لا يصحّ" کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے مراد ''موضوع'' ہی ہوتا ہے، نہ کہ حسن یا ضعیف۔ الشیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے ''المصنوع في معرفة الحديث الموضوع'' کے مقدمہ میں اس بات کو تفصیل سے ذکر کیا ہے، ملاحظہ ہو:

"قولهم في الحديث: "لا يصح"، أو "لا يثبتُ" ..... ونحو هذه التعابير إذا قالوه في كتب الضعفاء أو الموضوعات، فالمراد به أن الحديث المذكور موضوع، لا يتصف بشيئ من الصحة؛ وإذا قالوه في كتب أحاديث الأحكام، فالمراد به نفي الصحة الاصطلاحية". (المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، ص: ۲۷، قديمي)

بلکہ علامہ زاہد الکوثری رحمہ اللہ نے تو اس بات کو پوری وضاحت کے ساتھ صاف صاف بیان فرمادیا ہے کہ کتب ضعفاء میں جس حدیث کے بارے میں "لا يصح" کہہ دیا جائے، تو اس سے ''حسن'' مراد نہیں لے سکتے؛ بلکہ وہ حدیث باطل ہے، ملاحظہ ہو:

"إن قول النقاد في الحديث: "إنه لا يصح" بمعنىٰ أنه باطل في كتب الضعفاء والمتروكين، لا بمعنىٰ أنه حسن، وإن لم يكن صحيحاً، كما نص علىٰ ذٰلك أهل الشأن، بخلاف كتب الأحكام، كما أوضحت ذٰلك في مقدمة "انتقاد المغني". (مقالات الكوثري، حول حديثين في حديث من أحاديث رمضان،ص: ٤٢، دارالسلام)

"معجم المصطلحات الحدیثیہ" میں بھی یہی بات پوری تفصیل سے مذکور ہے، ملاحظہ ہو:

قوله:" لا يصح". هي لفظةٌ يستعملها المحدثون للإخبار عن عدمِ ثبوت الحديث في درجة الصحيح، فقولهم في الحديث: "لا يصح"، أو "لا يثبت"، أو "لم يصح"، أو "لم يثبُت"، أو "ليس بصحيحٍ"، أو "ليس بثابتٍ"، أو "غيرُ ثابتٍ"، أو "لا يثبت فيه شيئ"، ونحو هٰذه الألفاظ، إذ قالوها في كتب الضعفاء أو الموضوعات؛ فمرادهم بها: أن الحديث المذكور موضوع، لا يتصف بشيئ من الصحة.

وأما إذا قالوها في كتب أحاديث الأحكام؛ فمرادهم بها نفي الصحة الإصطلاحية؛ لأن فيها عدم صحة الحديث لا يلزم أن يكون موضوعاً. (معجم المصطلاحات الحديثية، حرف اللام، لا يصح، ص: ٤٤٣، مكتبة زمزم للطباعة والنشر والتوزيع، كراتشي)

محدثین اس قول "لا یصح" کو کسی حدیث کے صحیح نہ ہونے کی خبر دینے کے لیے استعمال کرتے ہیں، پس محدثین ان الفاظ "لا يصح"، أو "لا يثبت"، أو "لم يصح"، أو "لم يثبُت"، أو "ليس بصحيحٍ"، أو "ليس بثابتٍ"، أو "غيرُ ثابتٍ"، أو "لا يثبت فيه شيئ"، **کا استعمال جب کتبِ ضعفاء میں ہو یا کتبِ موضوعات میں ہو تو محدثین کی ان الفاظ سے مراد اس حدیث کے موضوع ہونے کو بتلانا ہوتا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔**

اور جب محدثین ان الفاظ کا استعمال احادیث احکام کی کتب میں کرتے ہیں تو ان کی مراد اصطلاحی صحت کی نفی کی خبر دینا ہوتا ہے، کتبِ احادیثِ احکام میں "عدمِ صحت" موضوع ہونے کو مستلزم نہیں ہوتی۔

چناں چہ! معترض کی بات (صحیح نہ ہونے سے کسی حدیث کا ضعیف ہونا لازم نہیں آتا؛ کیوں کہ "صحیح" کے بعد "حسن" کا درجہ باقی ہے، لہٰذا یہ حدیث اگر "حسن" بھی ہو تو بھی عمل کے

لیے کافی ہے) کا کسی درجہ میں بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا، اور مذکورہ حدیث باطل ہے۔

دوسری روایت کی تحقیق

دوسری روایت ”جو حضرت خضر علیہ السلام سے مروی ہے“ کے بارے میں علامہ سخاوی، علامہ طاہر پٹنی اور ملا علی قاری رحمہم اللہ نے لکھا ہے کہ اس روایت کی سند میں بہت سے راوی ایسے ہیں، جو مجہول ہیں۔ ملاحظہ ہو:

”وكذا ماأورده أبو العباس أحمد بن أبي بكر الرّداد اليماني المتصوف في كتابه ”موجبات الرحمة وعزائم المغفرة“ بسند فيه مجاهيل مع انقطاعه عن الخضر عليه السلام أنه: مَن قال حين سمع .....إلخ“.

(المقاصد الحسنة للسخاوي، حرف الميم، رقم الحديث: ١٠١٩، ص: ٤٤١، دارالكتب العلمية)

(الموضوعات الكبرىٰ للقاري، حرف الميم، رقم الحديث: ٨٢٩، ص: ٢١٠، قديمي كتب خانه)

(تذكرة الموضوعات لطاهر الفتني، باب الأذان ومسح العينين فيه، ص: ٣٤، كتب خانه مجيدية ملتان)

ابو العباس احمد بن ابی بکر الرّدادؒ یمانی صوفی اپنی کتاب ”موجبات الرحمة وعزائم المغفرة“ میں حضرت خضرؑ کی منقطع روایت کو ایسی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے جس میں بہت سارے راوی مجہول ہیں، (یعنی ان کا تذکرہ ہی کتب اسماء الرجال میں نہیں ملتا)

الغرض یہ تو اُن روایت کا حال تھا، جن سے استدلال کیا جاتا ہے۔ اب ایک نظر اُن کتب پر بھی ڈال لینی چاہیے، جن میں سے یہ روایات نقل کی جاتی ہیں، یا جن کتب میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔

روایات کے مأخذ کا بیان

چناں چہ! علامہ شامی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ اور روایات کے مأخذ میں کنز العباد، قہستانی، کتاب الفردوس اور فتاویٰ صوفیہ کا حوالہ دیا ہے اور علامہ طحطاوی رحمہ اللہ نے کتاب الفردوس اور کنز العباد کا حوالہ دیا ہے۔

صاحب تفسیر روح البیان نے اس مسئلہ میں قہستانی اور قوت القلوب کا حوالہ دیا ہے۔

مجموعی طور پر مذکورہ تمام کتب غیر معتبر ہیں، ان کتب کے صرف وہ مسائل معتبر شمار ہوں گے، جن کی تائید دوسری معتبر کتب سے ہوجائے۔

"کنز العباد" کے بارے میں علامہ لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وكذا"كنز العباد"فإنه مملوءٌ من المسائل الواهية والأحاديث الموضوعة، لا عبرةَ له، لا عند الفقهاء ولا عند المحدثين، قال علي القاري في طبقات الحنفية: "علي بن أحمد الغوري.......... وله "كنز العبادفي شرح الأوراد"، قال العلامة جمال الدين المرشدي: فيه أحاديث موضوعة لا يحل سماعها، انتهىٰ.(النافع الكبير على الجامع الصغير، مقدمة الجامع الصغير، الفصل الأول في ذكر طبقات الفقهاء والكتب،ص:۲۷، إدارة القرآن كراتشي)

اوراسی طرح"کنز العباد"میں ایسے مسائل واہیہ اور احادیثِ موضوعہ بھری ہوئی ہیں، جن کا محدثین اور فقہاء کے نزدیک کوئی اعتبار نہیں، ملاعلی قاریؒ"طبقاتِ حنفیہ"میں فرماتے ہیں کہ علی بن احمد الغوریؒ کی ایک کتاب"کنز العبادفی شرح الأوراد" ہے۔ علامہ جمال الدین المرشدیؒ فرماتے ہیں: اس کتاب میں ایسی موضوع احادیث بھری ہوئی ہیں، جن کا سننا صحیح نہیں ہے۔

"الفتاویٰ الصوفية" کے بارے میں حاجی خلیفہؒ، علامہ زرکلیؒ اور علامہ لکھنویؒ فرماتے ہیں:

"الفتاویٰ الصوفية في طريق البهائية" لفضل الله محمد بن أيوب المنتسب إلىٰ ماجو. قال صاحب كشف الظنون: قال المولىٰ البركلي: الفتاویٰ الصوفية ليست من الكتب المعتبرة، فلا يجوز العمل بما فيها إلا إذا علم موافقتها للأصول". (كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون، حرف الفاء: ۲/۱۲۲۵،دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(الأعلام للزركلي، الماجوری:۶/۴۷، دار العلم للملايين، بيروت)

(النافع الكبير على الجامع الصغير، مقدمة الجامع الصغير، الفصل الأول في ذكر طبقات الفقهاء والكتب،ص:۲۷، إدارة القرآن كراتشي)

ترجمہ:"الفتاویٰ الصوفیہ فی طریقہ البہائیہ" علامہ فضل اللہ محمد بن ایوب جو ماجو کی طرف منسوب ہے اور ان کی وفات ۶۶۶ ہجری میں ہوئی، کی تصنیف ہے،مولیٰ برکلیؒ فرماتے ہیں: "فتاویٰ صوفیہ معتبر کتب میں سے نہیں ہے، اس میں موجود کسی مسئلہ پر اس وقت تک عمل نہیں کرنا

چاہیے، جب تک اس مسئلہ کی موافقت اصول کے مطابق صحیح نہ ہو جائے''۔

''قہستانی'' کے بارے میں علامہ لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قہستانی کی کتاب ''جامع الرموز'' ہے، ان کا پورا نام شمس الدین محمد خراسانی قُہستانی ہے، انہوں نے ''کنز العباد'' سے نقل کرتے ہوئے مذکورہ مسئلہ ذکر کیا ہے،'' علامہ عصام الدین ''قہستانی کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ اپنے زمانے میں صرف کتابوں کی خرید وفروخت کرتے تھے، اور اپنے ہم عصر علماء کے درمیان نہ ہی بطورِ فقیہ مشہور تھے اور نہ ہی فقہ کے علاوہ کسی اور علم کے ماہر۔ اس بات کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنی اس کتاب میں ہر کچی، پکی بات اور صحیح اور ضعیف بات بغیر تصحیح اور تدقیق کے جمع کر دی ہے ملاحظہ ہو:

وقال المولىٰ عصام الدين في حق القهستاني: ''إنه .....لا يعرف الفقهَ ولا غيرَه بين أقرانه ويؤيده أنه يجمع في شرحه هذا بين الغث والسمين، والصحيح والضعيف من غير تصحيح ولا تدقيق، فهو كحاطب الليل جامع بين الرطب واليابس في النيل، وهو العوارض في ذم الروافض، إلخ''. (النافع الكبير على الجامع الصغير، مقدمة الجامع الصغير، الفصل الأول في ذكر طبقات الفقهاء والكتب، ص: ۲۷، إدارة القرآن كراتشي)

''قہستانی'' کے بارے میں علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"والقهستاني'' كجارف سيل وحاطب ليل. (تنقيح فتاوىٰ الحامدية، كتاب الحظر والإباحة: ۳۵٦/۲، حقانية. وكذا في عمدة الرعاية على شرح الوقاية، ص: ۱۰، مكتبة إمدادية، ملتان)

ترجمہ: ''قہستانی'' ہر مُحقَّق اور غیر مُحقَّق مسائل کو جمع کرنے والے ہیں۔ (''جارف سیل'' کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس طرح سیلاب اپنے ساتھ ہر قسم کی خس وخاشاک کو بہالاتا ہے، اسی طرح قہستانی نے اپنی کتاب میں ہر قسم کے (معتبر اور غیر معتبر) مسائل جمع کر دیے ہیں، اور ''حاطبِ لیل'' کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس طرح کوئی شخص رات کے اندھیرے میں لکڑیاں چننے والا ہو، تو اسے کوئی خبر نہیں ہوتی کہ وہ کس قسم کی لکڑیاں چُن رہا ہے، اسی طرح قہستانی نے بھی اپنی کتاب میں ہر طرح کے مسائل جمع کر دیے ہیں اور اسے کوئی خبر نہیں کہ اس نے کیسے مسائل جمع کیے ہیں، اس کی پرواہ کیے بغیر کہ وہ عمدہ ہیں یا غیر عمدہ، مُحقَّق ہیں یا غیر مُحقَّق)

"فردوس للديلمي" کے بارے میں امام تیمیہؒ، حافظ جلال الدین سیوطیؒ اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''فردوس للدیلمی'' کے مؤلف ''الحافظ شِيرَوَيْه بنِ شُهْرَدَار بن شِيرَوَيْه رحمه الله'' ہیں۔

(تاريخ الإسلام للذهبي، حرف الشين: شيرويه، ۳۵/۲۱۹، ۲۲۰، دار الكتاب العربي، لبنان)

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "كتاب الفردوس فيه من الأحاديث الموضوعات ما شاء الله ومصنفه شيرويه بن شهردار الديلمي وإن كان من طلبة الحديث ورواته، فإن هذه الأحاديث التي جمعها وحذف أسانيدها نقلها من غير اعتبار لصحيحها وضعيفها وموضوعها، فلهٰذا كان فيه من الموضوعات أحاديث كثيرة جداً".

ترجمہ: کتاب الفردوس میں موضوع روایات بھری ہوئی ہیں، اس کتاب کے مصنف شیرویہ بن شہردار الدیلمی اگرچہ حدیث کی تلاش میں پھرنے والے اور حدیث روایت کرنے والے تھے؛ لیکن انہوں نے ان احادیث کو جن کو ان کی سندوں کے بغیر جمع کیا ہے، صحیح، ضعیف اور موضوع کا اعتبار کیے بغیر ہی نقل کردیا ہے، اسی وجہ سے اس کتاب میں موضوع احادیث بہت زیادہ تعداد میں جمع ہیں''۔

دوسری جگہ فرماتے ہیں: "كتابُ الفردوس للديلمي فيه موضوعاتٌ كثيرةٌ، أجمَع أهلُ العلم على أنَّ مجردَ كونِه رواه لا يدلُّ على صحَّةِ الحديثِ". (منهاج السنة النبوية لابن تيمية: ۵/۳۹، الفصل الخامس، و: ۷/۱۱۰، الفصل الثاني عشر، مؤسسة قرطبة)

ترجمہ: دیلمیؒ کی کتاب الفردوس میں موضوع احادیث بہت زیادہ ہیں، اہلِ علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ کسی حدیث کا محض اس کتاب میں ہونا اس کے صحیح ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔

حافظ جلال الدین السیوطیؒ لکھتے ہیں: ''كل ما عُزِيَ لهٰؤلاء الأربعة-أي: الضعفاء للعقيلي، الكامل لابن عدي، التاريخ للبُغدادي، التاريخ لابن عساكر- أو للحكيم الترمذي في نوادر الأصول أو للحاكم في تاريخه أو لابن جارود أو للديلمي في

مسند الفردوس فهو ضعيفٌ، فليستغنِ بالعَزْوِ إليها أو إلىٰ بعضها عن بيان ضُعفه". (جمع الجوامع، ديباجة قسم الأقوال من جمع الجوامع (الجامع الكبير): ۲۱/۱، دارالكتب العلمية)

ترجمہ: ".....دیلمیؒ کی مسند فردوس میں جو کچھ مذکور ہے، وہ ضعیف ہے، کسی حدیث کی نسبت کا اِس کتاب کی طرف ہونا ہی اُس (ضعیف) حدیث کے ضعف کو بیان کرنے سے مستغنی کردیتا ہے"۔

الدکتور نورالدین عتر رحمہ اللہ حافظ صاحب رحمہ اللہ کی اس بات کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس (مطلق حکم) سے مراد وہ احادیث ہیں، جو صرف انہی کتب میں مذکور ہوں، ان کے علاوہ کہیں اور مذکور نہ ہوں، یعنی: یہ حضرات اپنی کتب میں نقل کرنے والی احادیث میں متفرد ہوں، ملاحظہ ہو: "مصادِرُ نصَّ العلماء علىٰ أن تفرُّدها بحديثٍ أمارةٌ علىٰ ضُعفه، قال السيوطيؒ في ديباجة كتابه الجامع الكبير: "كل ما عُزِي لهٰؤلاء الأربعة.....إلخ". (منهج النقد في علوم الحديث، الباب الرابع في علوم الحديث من حيث القبول أو الرد، الفصل الثاني في أنواع الحديث المردود، مسادر الحديث الضعيف، ص: ۲۹۷، ۲۹۸، دارالفكر، بيروت)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں: ".....ولكنه غير مُتْقِنٍ ولا يُمَيِّزُبين الصحيح والسقيمِ، ومِن ثَمَّ امْتَلأَ كتابُه من الأحاديث الموضوعة والواهية". (بستان المحدثين للدهلوي، فارسي،ص: ۱۶۲، سعيد. ومترجم بالعربية للدكتور محمد أكرم الندوي، بحث فردوس للديلمي،ص: ۱۸۰، دارالغُرب الإسلامي)

ترجمہ: "لیکن ثقہ اور قابل اعتماد نہیں ہیں، یہ صحیح روایت اور ضعیف روایت کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کرتے، اسی وجہ سے ان کی (مذکورہ) کتاب موضوع اور بے سند احادیث سے بھری ہوئی ہے۔

مذکورہ کتب سے مسئلہ لینے کا حکم

ان کتب میں مذکور کسی مسئلہ پر عمل کرنے کا کیا حکم ہے؟ اس بارے میں علامہ لکھنوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"والحكم في هٰذه الكتب الغير المعتبرة أن لا يُؤخَذ منها ما كان مخالفاً لكتب الطبقة الأعلىٰ، ويُتوقَّفُ في ما وُجِد فيهاما لم يدخُل ذالك في أصلٍ شرعيٍ". (النافع الكبير على الجامع الصغير، مقدمة الجامع الصغير، الفصل الأول في ذكر طبقات الفقهاء والكتب،ص:۲۷، إدارة القرآن كراتشي)

ترجمہ: ان غیر معتبر کتابوں (میں سے کسی مسئلہ کے لینے) کا حکم یہ ہے کہ ان میں مذکور کوئی ایسا حکم جو ان کتابوں سے زیادہ معتبر کتابوں میں موجود مسئلہ کے مخالف ہو، نہیں لیا جائے گا؛ بلکہ اس پر عمل کرنے کے سلسلے میں اس وقت تک توقف کیا جائے گا، جب تک اس مسئلہ کا کسی اصلِ شرعی میں داخل ہونا نہ معلوم ہوجائے، (یعنی: دوسری معتبر کتب سے اس کے صحیح ہونے کی تصدیق نہ ہوجائے۔)

صاحب روح البیانؒ اور علامہ طحطاویؒ کے اپنے قول کا جائزہ

اب صاحب تفسیر روح البیانؒ کی اس بات:

"يقول الفقير: "قد صحَّ من العلماء تجويزُ الأخذِ بالحديثِ الضعيفِ في العملياتِ، فكونُ الحديثِ المذكورِ غيرَ مرفوعٍ لا يستلزِم تركَ العملِ بمضمونه، وقد أصاب القهستانيُّ في القول باستحبابه"، ترجمہ: فقیر کہتا ہے کہ: "(فضائلِ) اعمال کے باب میں ضعیف حدیث پر عمل کرنے کا جواز علماء سے صحت کے ساتھ ثابت ہے، پس مذکورہ حدیث کا غیر مرفوع ہونا، اُس کے مضمون پر عمل نہ کرنے کو مستلزم نہیں۔ اور قہستانیؒ اپنی استحباب کی رائے میں درست ہیں"

اور علامہ طحطاویؒ کی عبارت:

"وبمثله يُعمَلُ فِيْ فضائلِ الأعمالِ" (ترجمہ: اور فضائل میں اس طرح کی باتوں پر عمل کرلیا جاتا ہے) کا بھی جائزہ لے لینا چاہیے۔

اصول حدیث کی کتابوں میں یہ بات پوری وضاحت کے ساتھ لکھی ہوئی موجود ہے کہ فضائلِ اعمال میں ان روایات کو ہی لیا جاتا ہے، جو صحیح، حسن یا ہلکے درجے کی ضعیف ہوں، جو موضوع یا شدید ضعیف ہوں، ان پر عمل نہیں کیا جاتا، اور جب اس میں تین شرائط موجود ہوں۔

فضائل اعمال میں حدیثِ ضعیف پر عمل کرنے کی شرائط:

جمہور علماء کے نزدیک، فضائل کے باب میں ہلکے درجے کی ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز

ہے؛ البتہ اس جوازِ عمل کے لیے تین بنیادی شرائط ہیں، جن کو حافظ سخاویؒ نے ''القَولُ البَدِیع'' میں ذکر کیا ہے، اور اگر ضعیف حدیث میں مذکورہ تین شرطوں میں سے کوئی شرط مفقود ہو تو اس حدیث پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔ موصوف فرماتے ہیں:

''سمعتُ شیخَنا ابن حجر أي العسقلاني المصري مِرَاراً - وكَتَبَه لي بخَطّه - يقول: شَرْطُ العَمَلِ بالحديث الضعيف ثلاثةٌ: الأوّل مُتَّفَقٌ عليه، وهوأنْ يكونَ الضُعفُ غيرَ شديدٍ، فيَخْرُجُ مَن انْفَرَدَ مِنَ الكَذّابين والمُتّهَمين ومَنْ فَحُشَ غَلَطُه، والثاني: أن يكونَ مُندَرِجاً تحتَ أصلٍ عامٍ، فيخرُج ما يُخْتَرَعُ بحيثُ لا يكون له أصلٌ أصلاً، والثالث: أن لا يُعْتَقَدَ عند العَمَلِ به ثبوتُه لئلا يُنْسَبَ إلى النبي صلّى اللّٰه عليه وسلّم ما لم يَقُلْه. قال: والأخيران عن ابن السلام وابن دَقِيقِ العيد، والأوّلُ نَقَلَ العلائي الاتّفاقَ عليه''. (القول البديع للسخاوي، خاتمة، ص:٤٩٦، دار اليسير، المدينة المنورة)

میں نے اپنے شیخ حافظ ابن حجرؒ سے کئی دفعہ سنا ہے – حافظ ابن حجرؒ نے مجھے بذاتِ خود یہ شرائط لکھ کر بھی دیں – کہ ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی تین شرطیں ہیں:

پہلی شرط اتفاقی ہے کہ ضعف، شدید نہ ہو، لہٰذا اس شرط سے وہ کذّابین، متّہمین اور فاحش الغلط رُواۃ نکل گئے، جو نقلِ روایت میں منفرد (تنہا) ہوں۔

دوسری شرط یہ ہے روایت دین کے اصلِ عام کے تحت داخل ہو، اس شرط سے وہ روایتیں نکل گئیں، جو گھڑی گئی ہوں، اس طور پر کہ ان کی کوئی اصل نہ ہو۔

تیسری شرط یہ ہے کہ حدیث پر عمل کے وقت ثبوتِ حدیث کا اعتقاد نہ ہو؛ تاکہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی طرف کوئی ایسی بات منسوب نہ ہو جائے، جو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے نہ فرمائی ہو۔

حافظ ابن حجرؒ نے مزید فرمایا کہ آخری دو شرطیں، ابن عبدالسلامؒ اور ابن دَقیق العیدؒ سے منقول ہے، اور شرطِ اول پر علامہ علائیؒ نے علماء کا اتفاق نقل کیا ہے''۔

مذکورہ تفصیل کی روشنی میں صاحب روح البیان کے قول کی حیثیت بالکلیہ ختم ہو جاتی ہے؛ اس لیے کہ مذکورہ شرائط ضعیف حدیث پر عمل کرنے کی ہیں، نہ کہ موضوع، منقطع یا بے سند حدیث پر عمل کرنے کی۔ اور یہ بات پوری تحقیق سے ثابت ہے کہ یہ روایات موضوع یا بے سند ہیں نہ کہ ضعیف۔

قوت القلوب کی عبارت سے متعلق وضاحت

البتہ! صاحبِ روح البیانؒ نے جو بات ''قوت القلوب'' کے حوالے سے ذکر کی ہے، اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ ہم نے مذکورہ کتاب میں اپنی بساط بھر کوشش کی کہ صاحبِ روح البیان کی نقل کردہ بات ہمیں مل جائے؛ لیکن ہم اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوسکے، پوری کتاب میں مظان اور غیرِ مظان دونوں جگہ خوب تلاش کے باوجود ہماری مطلوبہ عبارت ہمیں نہ مل سکی؛ تاہم ''صاحبِ قوت القلوب'' کے طرز سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی یہ بات بھی دیگر مباحث کی مثل بغیر سند کے مذکور ہوگی، بشرطِ موجودگی اگر ایسا ہی ہوا تو پھر اس عبارت کا جواب بھی مذکورہ تحریر میں آچکا ہے، اور اگر یہ بات سنداً موجود ہو تو جب وہ بات سامنے لائی جائے گی تو اس کا بھی جائزہ لے لیا جائے گا۔

اور علامہ طحطاوی رحمہ اللہ کے قول "وبمثلہٖ یُعْمَلُ فِیْ فضائلِ الأعمالِ" (ترجمہ: اور فضائل میں اس طرح کی باتوں پر عمل کرلیا جاتا ہے) کے بارے میں علامہ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ولاتغترَّ بقول الطحطاوي في حاشيته على مراقي الفلاح آخر باب الأذان "بعد ذكره هٰذا الحديث عن كتاب الفردوس وكذا رُوي عن الخضر عليه السلام، وبمثلهٖ يعمل في فضائل الأعمال" فهو كلام مردود بما قاله الحافظ..... وقال الحافظ ابن تيمية في منهاج السنة: إن كتاب الفردوس فيه من الأحاديث الموضوعة.....إلخ. (المصنوع في معرفة الحديث الموضوع، ص: ۱۷۰، قديمي)

ترجمہ: ''اور تو علامہ طحطاویؒ کے اس قول سے دھوکہ میں نہ پڑنا جو انہوں نے ''مراقی الفلاح'' کے حاشیے میں باب الأذان کے آخر میں ذکر کی ہے.....کہ ''فضائل اعمال میں اس جیسی روایات پر عمل کرلیا جاتا ہے''، پس ان کا یہ کلام رد کردیا جائے گا؛ بوجہ اس قول کے جو حافظ ابن تیمیہؒ کا ان کی کتاب ''منہاج السنۃ'' میں مذکور ہے کہ کتاب الفردوس میں تو موضوع احادیث بھری ہوئی ہیں.....إلخ''۔

اس پوری بحث سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ان روایات پر عمل کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

علامہ ابن عابدین اور علامہ طحطاوی رحمہما اللہ کا دفاع

اور اس بحث سے علامہ ابن عابدین اور علامہ طحطاوی رحمہما اللہ پر کوئی زد نہیں پڑتی۔

اولاً تو اس بنا پر کہ علامہ ابن عابدینؒ کی ذکر کردہ عبارت کو دیکھا جائے کہ اس میں ان کا اپنا کوئی بھی کلام نہیں ہے، پہلے انہوں نے علامہ قہستانیؒ کا قولِ استحباب نقل کیا ہے، اس کے بعد علامہ جراحیؒ کا قول: "ولم یصِحَّ في المرفوع من کل هذا شیئٌ" نقل کیا ہے، ان کے طرز سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس باب میں کوئی صحیح مرفوع حدیث منقول نہیں ہے؛ کیوں کہ ان کا استحباب والے قول کے بعد اس قول "ولم یصِحَّ في المرفوع من کل هذا شیئٌ" کو ذکر کرنا اسی طرف اشارہ کررہا ہے۔

اور علامہ طحطاوی رحمہ اللہ کی ذکر کردہ عبارت کی بھی یہی صورتِ حال ہے کہ انہوں نے قہستانی اور کتاب الفردوس سے نقل کیا ہے؛ البتہ آخر میں ان کا اپنا قول: "وبمثلہٖ یُعمَل في الفضائل" اس کی حیثیت علامہ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ کے قول سے واضح ہوچکی ہے۔

ثانیاً اس وجہ سے ان حضرات نے جو استحباب کا قول نقل کیا ہے، ایسا آج سے دوصدیوں قبل کیا تھا، عین ممکن ہے کہ اس دور میں بدعتیوں کے ہاں اس مسئلہ میں غلو نہ ہو؛ اس لیے انہوں نے استحباب کا حکم لگایا اور بعض نے اسے ہی آگے نقل کردیا، اور اگر اس دور میں بھی اس مسئلہ میں غلو ہوتا، جیسا کہ آج اظہر من الشّمس ہے تو یقیناً اس مسئلہ میں بھی دوسری بدعات کی طرح بدعت کا حکم لگایا جاتا۔

اور اگر بالفرض اسے مستحب ہونا تسلیم بھی کرلیا جائے تو پھر بھی آج کے دور میں اس پر عمل نہیں کرسکتے؛ کیوں کہ فقہ کا مسلّمہ قاعدہ ہے کہ جب کسی مستحب کام کو اس کے درجہ سے بڑھادیا جائے تو وہ کام ممنوع ہوجاتا ہے، اب! موجودہ دور میں مذکورہ مسئلہ کے بارے میں غور کرلیا جائے کہ اس مسئلہ کو نہ صرف سنتِ مقصودہ؛ بلکہ اس میں نبی اکرم ﷺ کی خاص تعظیم سمجھی جاتی ہے۔ اور ایسا نہ کرنے والے کو بُری نظر سے دیکھا جاتا ہے، نہ کرنے والے کو ملامت اور لعن طعن کی جاتی ہے، اسے حنفیت کا مخالف قرار دیا جاتا ہے؛ بلکہ اس عمل کو اہل السنۃ والجماعۃ کی پہچان سمجھا جاتا ہے؛ حالاں کہ اگر یہ عمل ایسا ہی اہم اور ضروری ہوتا تو جس طرح اذان جیسا عظیم الشان امر تواتر اور قوی دلائل کے ساتھ کتبِ معتبرہ میں مذکور ہے، بالکل اسی طرح یہ عمل بھی مذکور ہونا چاہیے تھا؛ اس لیے کہ یہ عمل بھی اذان کے وقت کا ہی عمل ہے؛ لیکن اس کے برخلاف یہ عمل موضوع اور منقطع حدیث اور چند غیر معتبر کتب میں موجود ہے۔ لہٰذا اس عمل کو اس کے مرتبے سے اس طرح غلو کی حد تک بڑھادینا بھی اس عمل کے ممنوع ہونے کے لیے کافی ہے، ملاحظہ ہو:

قال ابن منير: "فيه أن المندوبات قد تنقلب مكروهات، إذا رفعت عن مرتبتها..... إلخ". (فتح الباري، كتاب الصلاة، باب الانتفال والإنصراف عن اليمين: ۲/ ۴۳۰، قديمي)

''ابن منیرؒ فرماتے ہیں: (اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے) کہ مندوبات (یعنی: مستحبات) کو جب ان کے مرتبہ سے بلند کردیا جائے تو وہ مکروہات کے حکم میں بدل جاتے ہیں''۔

قال الطيبي: " وفيه أن من أصر علىٰ أمر مندوب وجعله عزماً ولم يعمل بالرخصة، فقد أصاب من الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر علىٰ بدعةٍ أو منكرٍ". (شرح الطيبي، كتاب الصلاة، باب الدعا في التشهد، الفصل الأول، رقم الحديث: ۹۴۶، ۲/ ۳۷۴، إدارة القرآن والعلوم، كراتشي)

طیبیؒ فرماتے ہیں: (اس حدیث سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے) کہ جو شخص کسی امرِ مندوب پر اصرار کرے (یعنی ان پر مسلسل اس طرح عمل کرے کہ وہ اس سے کبھی چھوٹنے ہی پائے) اور اس پر عمل کرنے پر (مسلسل) پُرعزم رہتا ہو، تو وہ شیطان سے اپنے حصے کی گمراہی وصول کرنے والا ہے، پس (جب مندوبات پر اصرار کرنے والے کا یہ حال ہے تو) بدعات یا منکرات پر (اسی طرح) اصرار کرنے والے کا کیا حال ہوگا ؟!''۔

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعا في التشهد، الفصل الأول، رقم الحديث: ۹۴۶، ۳/ ۳۱، رشيدية)

(وكذا في التعليق الصبيح، كتاب الصلاة، باب الدعا في التشهد، الفصل الأول، رقم الحديث: ۹۴۶، ۱/ ۵۴۹، رشيدية)

(وكذا في السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲/ ۲۶۳، سهيل اكيدمي)

علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

اب آخر میں ہماری متعلقہ بحث جیسا ہی ایک سوال کا جواب ذکر کیا جاتا ہے، جو ایسی شخصیت کا جاری کردہ ہے، جو دیوبندیت اور بریلویت کے زمانے سے پہلے کی ہے، اور وہ ہیں علامہ عبدالحی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ، ملاحظہ فرمائیں:

''این تقبیل را در بعض کتب فقہ مستحب نوشتہ است نہ واجب و نہ سنت، مثل کنز العباد و خزانۃ الروایات، و جامع الرموز و فتاویٰ صوفیہ وغیرہ؛ مگر در اکثر کتبِ معتبرہ متداولہ نشانِ آن نیست، در

آن کتب کہ درانہا این مسئلہ مذکور است غیر معتبر اند؛ چنانکہ جامع الرموز وفتاویٰ صوفیہ وکنز العباد وغیرہ، ایں وجہ کہ درین کتب رطب ویابس بلا تنقیح مجتمع است، تفصیل آن در رسالہ من ''النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر'' موجود است، درین باب فقہاء نقل می کنند آنہا تحقیق محدثین صحیح نیستند .....الخ''۔ (مجموعۃ الفتاویٰ، کتاب الکراہیۃ: ۳۲۵/۴، رشیدیہ)

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے: ''اس انگوٹھے چومنے والے مسئلہ کو فقہ کی بعض کتابوں میں مستحب کہا گیا ہے، واجب یا سنت نہیں، مثلاً: کنز العباد، خزانۃ الروایات، جامع الرموز اور فتاویٰ صوفیہ وغیرہ (میں یہ مسئلہ مذکور ہے)، مگر اکثر معتبر کتبِ فقہ میں ایسا کوئی مسئلہ مذکور نہیں ہے، اور جن کتب میں یہ مسئلہ موجود ہے، وہ کتب معتبر نہیں ہیں؛ اس لیے کہ ان کتابوں میں ہر رطب ویابس کو اس بات کی تصریح کیے بغیر'' کہ کون سی بات صحیح ہے اور کون سی نہیں''، ان میں جمع کر دیا گیا ہے، اس بات کی پوری تفصیل میرے رسالے '' النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر'' میں موجود ہے، اس انگوٹھا چومنے والے مسئلہ میں (ان کتابوں کے مصنّفین) فقہاء نے جو کچھ کہا ہے، محدثینِ کرام نے اسے صحیح قرار نہیں دیا''۔

مذکورہ بالا تفصیل سے متعلقہ مسئلہ پوری طرح منقح ہوکر سامنے آچکا ہے، اللہ جلّ جلالہٗ کے حضور دعا ہے کہ وہ ہمیں جملہ بدعات ومنکرات سے محفوظ رکھے اور اتباعِ سنت نبوی ﷺ کی توفیق مرحمت فرمائے، اور ہم سب کا خاتمہ بالخیر کرتے ہوئے ہمارا حشر اس جماعتِ قدسیہ کے ساتھ فرمائے، جس کو دنیا میں ہی ''رضي الله عنهم ورضوا عنه'' کا پروانہ مل گیا تھا، میری مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔

❁ ❁ ❁